برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی کی کارکردگی

(۱۹۳۲ء - ۱۹۳۴ء)

پچھلے سال اسی مہینے میں آپ کو برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی کے وہ کارنامے سنائے گئے تھے جو اس نے ۱۸۰۴ء سے ۱۹۳۲ء تک انجام دیے ہیں۔ آج ہم اس سبق آموز داستان کا ایک دوسرا ورق پیش کرتے ہیں جو ۳۳ - ۱۹۳۲ء اور ۳۴ - ۱۹۳۳ء کی رپورٹوں سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ داستان سبق سکھانے والی ضرور ہے، مگر افسوس کہ ہم میں ابھی تک سبق سیکھنے والے پیدا نہیں ہوئے۔ کاش! سبق سنتے سنتے ہم میں سیکھنے اور عمل کرنے کی بھی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

---

۳۳ - ۱۹۳۲ء میں اس سوسائٹی نے دنیا کی ۱۲ نئی زبانوں میں بائیبل کے ترجمے شائع کیے، جن میں سے چھ زبانیں ایشیا کی ہیں، چار افریقہ کی، ایک امریکہ کی اور ایک یورپ کی۔ اس طرح اُن زبانوں کی تعداد ۶۶۷ تک پہنچ گئی جن میں بائیبل کے تراجم شائع ہوئے ہیں۔

ایک سال کے اندر بائیبل اور اس کے متفرق حصّوں کے جتنے نسخے دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع کیے گئے، ان کی مجموعی تعداد ۱۰۶۱۷۴۷۰ تھی۔ ۳۲ - ۱۹۳۱ء کے مقابلہ میں ۶۵ ہزار کا اضافہ ہوا۔ ممالک کے لحاظ سے اس تعداد کی تقسیم حسبِ ذیل ہے۔

ایشیا	۶۹۵۰۰۰۰
یورپ	۱۶۹۰۰۰۰
جزائر برطانیہ	۸۵۷۰۰۰
جنوبی امریکہ	۳۹۸۰۰۰
افریقہ	۳۵۲۰۰۰
کینیڈا اور نیوفاؤنڈلینڈ	۳۱۷۰۰۰
آسٹریلیا	۱۷۰۰۰
نیوزی لینڈ	۳۴۰۰۰
اوشیانیا	۴۰۰۰

سب سے زیادہ اشاعت چین میں ہوئی جہاں بائیبل اور اُس کے مختلف حصّوں کے ۴۲ لاکھ نسخے ایک سال کے اندر شائع ہوئے۔

ہندوستان میں صرف الٰہ آباد کی شاخ نے جس قدر کام کیا ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک سال میں ۲۳۶۲۱۹ نسخے تقسیم کیے گئے جو ۴۰ مختلف زبانوں میں تھے۔ ۴۵ مردوں اور ۶ عورتوں نے گھر گھر پھر کر ۴۵ ہزار سے زیادہ نسخے فروخت کیے۔ یونیورسٹیوں کے امتحانات میں کامیابی حاصل کرنے والے طلبہ کو ۳۹۲ نسخے مکمل بائیبل کے اور ۹۹۴ نسخے جدید عہد نامہ کے مفت دیے گئے۔ اور ۹۴۵۴ روپے کے عطیے بائیبل سوسائٹی کو امداد کے لیے وصول ہوئے۔

الٰہ آباد کی شاخ ۱۸۴۸ء میں قائم ہوئی تھی۔ پہلے سال اس نے تقریباً ۱۸ ہزار نسخے شائع کیے۔ ۱۹۰۱ء میں یہ تعداد ۹۴ ہزار تک پہنچی اور ۱۹۲۰ء میں ساڑھے چار لاکھ تک پہنچ گئی۔ ۸۵ سال کی مدت میں صرف اس شاخ سے بائبل کے جو نسخے شائع ہوئے ہیں، ان کی مجموعی تعداد ۷۷ لاکھ سے زیادہ ہے۔

اب ۳۴-۱۹۳۳ء کی روداد سنیے۔

تمام دنیا میں ۱۰۹۳۳۲۰۳ نسخے شائع ہوئے جو بمقابلہ سال گزشتہ کے ۳ لاکھ زیادہ تھے۔ ممالک کے لحاظ سے تقسیم حسبِ ذیل ہے۔

۱۔	یورپ	۱۵۸۹۰۰۰
	مغربی یورپ	۱۰۳۴۱۱۴
	وسطی یورپ	۳۰۸۰۰۰
	شمالی مشرقی یورپ	۷۵۰۰۰
	جنوبی مشرقی یورپ	۱۷۱۰۰۰
۲۔	ایشیا	۶۷۰۸۰۰۰
	چین	۳۹۰۲۰۰۰
	کوریا	۶۵۵۰۰۰
	ملایا	۱۷۸۰۰۰
	سیلون اور ہندوستان	۱۱۸۷۰۰۰
	برما	۱۳۴۰۰۰
	جاپان	۵۴۱۰۰۰
	ایران و عراق	۶۹۰۰۰

	فلسطین و شام	۳۸۰۰۰
۳-	افریقہ	۵۰۹۰۰۰
۴-	جنوبی امریکہ	۴۴۳۰۰۰
۵-	کینیڈا اور نیوفاؤنڈلینڈ	۲۷۶۰۰۰
۶-	نیوزی لینڈ	۲۵۰۰۰
۷-	آسٹریلیا	۱۷۲۰۰۰
۸-	برطانیہ عظمیٰ	۸۵۵۴۴۸

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ یورپ میں بائیبل کی اشاعت گھٹ رہی ہے۔ اسپین، فرانس، سوئٹزلینڈ، اٹلی، بلجیم، جرمنی، زیکوسلوواکیا، یوگوسلیویا، یونان، لتھوانیا، فن لینڈ اور خود بائیبل سوسائٹی کے گھر یعنی جزائر برطانیہ کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جگہ سال گزشتہ کے مقابلہ میں ہزاروں کی کمی ہوئی ہے، لیکن مشرقی ممالک میں بیشتر ایسے ہیں جہاں گزشتہ سال کے مقابلہ میں اس سال بائیبل کے زیادہ خریدار نظر آتے ہیں۔ مثلاً ہندوستان میں ۵۹ ہزار کا اضافہ ہوا ہے۔ برما میں ۴۴ ہزار، جاپان ۵۱ ہزار، ایران و عراق اور فلسطین و شام میں ۴ ہزار، شمالی افریقہ میں ۸ ہزار، استوائی افریقہ میں ۱۸ ہزار، وسط جنوبی افریقہ میں ۵۵ ہزار، نٹال میں ۳ ہزار، اور کیپ کے علاقہ میں ۸۰ ہزار کی بیشی ہوئی ہے۔

جاپان میں بائیبل کی اشاعت جس رفتار سے بڑھ رہی ہے، اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ چار سفری گماشتوں نے ایک سال میں تیس تیس ہزار سے زائد نسخے فروخت کیے۔ اور ایک کے فروخت کردہ نسخوں کی تعداد تو ۴۵ ہزار تک پہنچ گئی۔

اس سال ۱۱ نئی زبانوں میں بائیبل کا ترجمہ ہوا جن میں سے ۹ زبانیں افریقہ کی ہیں، ایک یورپ اور ایک اوشیانیا کی۔ اس طرح ان زبانوں کی تعداد ۶۷۸ تک پہنچ گئی ہے جن میں اب تک بائیبل یا اس کے بعض حصوں کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔

جن نئی زبانوں میں اس سال تراجم شائع کیے گئے ہیں، ان کا بھی مختصر حال سن لیجیے۔

نائجیریا کی کمبری زبان جس کے بولنے والے ۴۵۰۰۰ ہیں۔

نائجیریا کی ڈاکا زبان جس کے بولنے والے ۲۰۰۰۰ ہیں۔

استوائی افریقہ کی یاکا زبان جس کے بولنے والے ۱۵۰۰۰ ہیں۔

استوائی افریقہ کی لمبوزبان جس کے بولنے والے ۱۵۰۰۰ ہیں۔

استوائی افریقہ کی بایازبان جس میں خواندہ لوگوں کی تعداد صرف ایک ہزار ہے۔

استوائی افریقہ کی منیکا زبان جس کو زیادہ تر مسلمان بولتے ہیں۔
سوڈان کی باری زبان جس کے بولنے والے اسلامی علاقوں سے محصور ہیں۔
حبش کی سیڈاموزبان جس کے بولنے والے ۱۵۰۰۰۰ ہیں۔
اوشیانیا کی کونیبی زبان جس کے بولنے والے ۲۵۰۰ ہیں۔

یہ اعداد خود اپنی خاموش زبان سے کہہ رہے ہیں کہ دنیا کے دور دراز علاقوں میں اگر کسی زبان کو دو چار ہزار انسان بھی بولتے ہیں، تو اس میں بائبل منتقل کر دی گئی ہے، تاکہ یہ لوگ اپنی زبان میں اس کتاب کو پڑھ سکیں اور مسیحیت کا پیغام سمجھ سکیں۔

پھر یہ بھی نہیں ہے کہ ترجمے محض سرسری طور پر رواروی میں کر دیے گئے ہیں۔ ان میں بیشتر تراجم ایسے ہیں جو کئی کئی آدمیوں نے مل کر کیے ہیں۔ بار بار ان کی نظر ثانی کی گئی ہے۔ دیسی باشندوں کو خاص طور پر تعلیم دے کر اس کے لیے تیار کیا گیا ہے کہ ترجمہ اور نظر ثانی میں مدد دے سکیں۔

حال میں بائیبل کا سب سے اہم ترجمہ وہ ہے جو افریقان بائبل کے نام سے مشہور ہے۔ افریقانی زبان جنوبی افریقہ کی عام زبان ہے۔ اب تک وہاں ولندیزی زبان کی بائیبل رائج تھی جس کو عوام نہ سمجھ سکتے تھے۔ بائیبل سوسائٹی نے مترجموں کا ایک بورڈ اس زبان میں کتاب مقدس کا ترجمہ کرنے کے لیے مقرر کیا جس نے دس سال کی مسلسل محنتوں کے بعد پچھلے سال اس کام کو مکمل کیا ہے۔ سال رواں میں پہلی مرتبہ اس ترجمہ کے ۲۲۰۰۰۰ نسخے طبع کر کے جنوبی افریقہ بھیجے گئے اور سب کے سب فروخت ہو گئے۔ اس ترجمہ کی اشاعت کا اثر یہ ہوا کہ مسیحیت جو جنوبی افریقہ میں مردہ ہوتی چلی جا رہی تھی، یکایک جی اٹھی۔ کلیسیا پھر سے بھرنے شروع ہو گئے اور گھروں میں اہلِ خاندان کے مل کر دعا کرنے کا طریقہ جو قریب قریب موقوف ہو چکا تھا، از سر نو جاری ہو گیا۔

اب کچھ تھوڑا سا حال ان لوگوں کا بھی سن لیجیے جنھوں نے دنیا کی مختلف زبانوں میں بائیبل کے ترجمے کیے ہیں۔ ہم ان کی طویل فہرست میں سے صرف چھ مثالیں پیش کریں گے، تاکہ یہ داستان زیادہ طویل نہ ہو جائے اور چند نمونوں سے آپ اس دین پرست جماعت کے جذبۂ خدمت کا اندازہ لگا لیں۔

بورنیو کے جنگلوں میں ایک قوم ڈایک نامی رہتی ہے جس کے چند قبائل سرواک کی ریاست میں آباد ہیں۔ اس قوم کی زبان کا نام بھی ڈایک ہی ہے۔ اب سے ستر برس پہلے وہاں مسیحی مبلغین نے کام شروع کیا اور بہت سے خاندانوں کو عیسائی بنا لیا۔ اس وقت تک ڈایک زبان میں تحریر کا رواج نہ تھا۔ مشنریوں نے ان کے لیے ایک رسم الخط ایجاد کیا، مدراس قائم کیے اور اس حد تک تعلیم پھیلا دی کہ

اب کم از کم ہر گھر میں ایک لکھا پڑھا آدمی موجود ہے۔ اس طرح زمین تیار کر لینے کے بعد بائیبل کا ترجمہ شروع کیا گیا۔ ان کی زبان میں الفاظ کی بہت کمی تھی اور جو تھوڑے بہت الفاظ تھے بھی تو وسیع معانی کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ سالہا سال کی کوششوں کے بعد اس زبان کو اس قابل بنایا گیا کہ بائیبل کے مضامین اس میں ادا ہو سکیں، اور ابھی پچھلے سال اناجیلِ اربعہ کا مکمل ترجمہ ڈایک میں شائع ہوا ہے۔

وسط افریقہ میں ایک زبان بولی جاتی ہے جس کا نام بن ٹو ہے، اس کے بولنے والے بھی بالکل وحشی تھے۔ مشنریوں نے جا کر ان کے درمیان پوری پوری عمریں گزاریں، ان کی زبان سیکھی، اس کے لیے رسم الخط ایجاد کیا، اس کی گرامر مرتب کی، قاموس بنائی، مدرسے قائم کر کے لکھنا پڑھنا سکھایا۔ اس کے بعد بائیبل کا ترجمہ شائع کیا۔ سب سے پہلے لٹریچر کی جس کتاب سے یہ لوگ آشنا ہوئے، وہ یہی بائیبل تھی۔ اس سے ان کے اندر دفعتہً ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ لوگوں کے بچے جب کتابیں پڑھتے تو ان کے خاندان والے اس عجیب تماشے کو دیکھنے کے لیے جمع ہو جاتے تھے، اور بسا اوقات ایک ایک بچے کی زبان سے پورا پورا گاؤں بائیبل سنتا تھا۔ ان مناظر نے پوری قوم میں علم حاصل کرنے کا شوق پیدا کر دیا۔ اور اس اچھوتی زمین میں مسیحیّت کی پہلی ہی تخم ریزی خوب بارآور ہوئی۔

بن ٹو زبان میں بائیبل کا پہلا ترجمہ ناقص تھا۔ مشنریوں کے جو بچے اس سرزمین میں پیدا ہوئے تھے اور جن کے لیے بن ٹو زبان مادری زبان کی حیثیت رکھتی تھی، وہ اب بڑے ہو کر اس ترجمہ پر نظرِ ثانی کر رہے ہیں۔

مغربی افریقہ میں ساحلِ سمندر سے ایک ہزار میل کے فاصلہ پر ایک قوم رہتی ہے، جس کا نام ٹانگالیس ہے۔ ۴۰ ہزار کے قریب ان کی آبادی ہے۔ علم و تہذیب تو درکنار، کپڑوں تک سے ناآشنا، زیادہ سے زیادہ لباس جو ان کے ہاں مستعمل ہوتا ہے وہ کچھ کھالیں اور تازہ پتے ہیں۔ نہایت مشکل اور بے ڈھنگی زبان بولتے ہیں جس کو قیدِ تحریر میں لانا محال ہوتا تھا، مگر مسیحی مشنری کا جذبۂ عمل ان تمام مشکلات پر غالب آ گیا۔ ۱۹۲۰ء میں لوقا کی انجیل ان کی زبان میں شائع کی گئی اور ۱۹۳۰ء میں پورا عہد نامۂ جدید خود اس علاقہ کے ایک پریس میں چھاپ دیا گیا۔ اس وقت وہاں تیس مدرسے قائم ہیں۔ خود وہیں کے چند آدمی جو ابتدءً عیسائی ہو گئے تھے اور جنہیں مشنریوں نے پڑھا لکھا دیا تھا، ان مدرسوں کو چلا رہے ہیں۔ استاد اپنے کھیتوں میں محنت کرتے اور فرصت کے اوقات مفت تعلیم دینے میں صرف کر دیتے ہیں۔ مدرسوں کی عمارتیں بھی دیسی باشندوں نے خود بنائی ہیں۔ مشنریوں کو ایک پیسہ اپنے پاس سے صرف کرنا نہیں پڑتا۔

جنوبی افریقہ کے اندرونی علاقوں میں ایک قوم سوٹو زبان بولتی ہے ۱۸۶۰ء میں ایک نوجوان

مشنری اڈولف مابیل نامی اپنی بیوی سمیت وہاں جا کر رہا اور پورے ۳۴ سال وہیں گزار دیے۔ اس نے وہاں ایک نارمل اسکول قائم کر کے اساتذہ تیار کرنے شروع کیے۔ اس مدرسہ کی ابتداء صرف تین آدمیوں سے ہوئی تھی۔ بعد میں اس سے اتنے اساتذہ تیار ہوئے کہ سارے ملک میں تعلیم دینے کے لیے پھیل گئے۔ پھر اس نے بائیبل اسکول اور دینیات کی تعلیم کا مدرسہ قائم کیا اور ایک مطبع کھولا اور ایک رسالہ نکالا جس کو ابتدءً وہ خود ہی لکھتا اور خود چھاپتا تھا۔ پھر اس نے سات آدمیوں کی مدد سے بائیبل کا ترجمہ شروع کیا، اور بیس سال کی لگاتار محنت کے بعد اس کو مکمل کر کے چھوڑا۔ وہ اپنے حالات میں لکھتا ہے کہ ہر کتاب کا ترجمہ مکمل کرنے کے بعد ہم اس پر کئی کئی مرتبہ نظر ڈالتے اور اگر اطمینان نہ ہوتا تو اس کو ردی کر کے پھر ترجمہ کرتے۔ بعض اوقات ہم کو ایک ایک کتاب کا ترجمہ چار چار مرتبہ کرنا پڑا۔ اس محنت شاقہ کے ساتھ ۱۳ تبلیغی مراکز اور ۱۳ مدرسوں کی نگرانی بھی وہ خود کرتا تھا۔ رسالے اور پریس کا کام بھی انجام دیتا تھا اور چار گھنٹے روزانہ پڑھاتا بھی تھا۔

ایک دوسرے شخص ڈاکٹر ایڈورڈ اسٹیر کا کارنامہ بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے۔ یہ لندن یونیورسٹی کا گریجویٹ، قانون کا ڈاکٹر، فنِ قانون کی مہارت میں سونے کا تمغہ پائے ہوئے تھا۔ باپ چاہتا تھا کہ بیرسٹری کرے، مگر اس نے فلسفہ و الٰہیات کا مطالعہ کیا اور اپنی زندگی مسیحیت کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ ۱۸۶۴ء میں زنجبار کے بشپ ٹوزر کے ساتھ مشرقی افریقہ گیا اور وہاں ایک مدرسہ جاری کیا جس میں ابتداءً صرف پانچ زنگی لڑکے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سواحلی زبان سیکھنی شروع کی جو افریقہ کی سب سے زیادہ عام تجارتی زبان ہے اور براعظم کے اندرونی علاقوں میں دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس زبان میں کافی مہارت حاصل کرنے کے بعد اس نے پہلے متی کی انجیل کا ترجمہ کیا جو ۱۸۶۹ء میں لندن سے شائع ہوا، پھر ۱۸۸۲ء میں وہ پورے عہد نامہ جدید کا ترجمہ لے کر خود انگلستان گیا اور اسے اپنی نگرانی میں طبع کرایا۔ اس کے بعد اس نے عہدِ عتیق کا ترجمہ شروع کیا، مگر عمر نے وفا نہ کی۔ ایک روز اچانک وہ اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا۔ اس کی میز پر ترجمہ کا مسودہ پڑا ہوا تھا اور آئندہ کام جاری رکھنے کے لیے ہدایات لکھی ہوئی موجود تھیں۔

سیموئیل پولرڈ بھی اسی طرح کا ایک صاحبِ عزم مشنری تھا۔ ۱۸۸۷ء سے چین میں تبلیغِ مسیحیت کر رہا تھا۔ ۱۹۰۴ء میں چین کے ایک نیم وحشی قبیلہ میاؤ سے اس کے تعلقات ہوئے اور اُس نے ۴۰ برس کی عمر میں ان کی زبان سیکھنی شروع کی۔ ان کی زبان میں تحریر کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اس نے ایک آسان سا رسم الخط ایجاد کیا اور قلیل مدت میں سینکڑوں آدمیوں کو لکھا پڑھا دیا۔ پھر اس نے عہد نامۂ جدید کا ترجمہ ان کی زبان میں شروع کیا۔ ۱۹۰۷ء میں مرقس کی انجیل شائع کی۔ ۱۹۱۵ء میں پورا عہد نامۂ جدید شائع کر دیا۔ آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ قضا کا پیغام آ گیا۔ اپنے حالات میں لکھتا ہے کہ "میرے لیے

اس سے بڑھ کر خوشی کی کوئی بات نہیں کہ یہ لوگ سب سے پہلے جس کتاب کو پڑھیں گے وہ مسیح کی کتاب ہوگی۔"

آپ دیکھ رہے ہیں کہ مسیحیت اپنی کمزوریوں کے باوجود دنیا کے ہر حصّہ میں پھیلتی چلی جا رہی ہے اور آبادیاں کی آبادیاں کلیسا کے دائرے میں داخل ہو رہی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو ظاہر میں سب کو نظر آتی ہے، یعنی عیسائی قوموں کی دولت، اُن کے تمدّنی اثرات اور اُن کی سیاسی طاقت، لیکن اِس ظاہر کی تہ میں جو ایثار، جو قربانیاں، جو فداکاریاں، جو حیرت انگیز محنتیں اور کوششیں کام کر رہی ہیں، ان کا حال کم لوگوں کو معلوم ہے، حالانکہ در حقیقت مسیحیت کے پھیلنے میں عیسائی قوموں کی مادّی طاقتوں کا اتنا حصّہ نہیں ہے، جتنا عیسائی مشنریوں کی ان محنتوں اور پر خلوص جدوجہد کا حصّہ ہے۔ اگر ان میں خدمت دین کا یہ زبردست جذبہ نہ ہوتا تو محض دولت اور تمدّن اور سیاسی قوّت کے بل پر مسیحیّت کو کبھی یہ فروغ نصیب نہ ہوتا۔

یہ دنیا دارالعمل ہے۔ یہاں کا قانون یہی ہے کہ جو اپنے مقصد کے لیے جان و مال اور آرام و آسائش کو قربان کرے گا، وہی کامیاب ہوگا۔

غور تو کیجیے کہ ایک مشنری انگلستان جیسے متمدّن ملک میں پیدا ہوتا ہے، عیش و عشرت کے ماحول میں آنکھیں کھولتا ہے، اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کرتا ہے۔ مادّی ترقیوں کے امکانات اُس کے استقبال کو موجود ہوتے ہیں، مگر وہ ان سب کو چھوڑ کر اپنے وطن سے دور صحراؤں میں انتہا درجہ کی وحشی قوموں کے درمیان جا بستا ہے جہاں کی ہر چیز اس کے مزاج، اس کی عادات اور اس کے ذہنی و جسمانی مالوفات کے بالکل خلاف ہے۔ اس وحشت کی دنیا میں یہ متمدن اور تعلیم یافتہ انسان سال دو سال نہیں تیس تیس اور چالیس چالیس سال گزار دیتا ہے۔ جوان جاتا ہے اور بوڑھا واپس آتا ہے، بلکہ بسا اوقات اس کو پھر اپنا وطن دیکھنا نصیب ہی نہیں ہوتا۔ وہ ان وحشی قوموں میں اس طرح رہتا ہے جیسے ان ہی میں کا ایک آدمی ہے۔ لگاتار محنتوں سے اُن کے توحش کو دور کر کے ان میں علم کا شوق اور مذہب کا ذوق پیدا کرتا ہے۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس سے جو زمینیں بنجر پڑی ہوئی ہیں، ان میں آبپاشیاں اور تخم ریزیاں کرتا ہے اور ہزار مرتبہ ناکامیوں سے دوچار ہونے کے بعد بھی ہمت نہیں ہارتا، مایوس نہیں ہوتا، پھر محنت کرتا ہے اور پھر کوشش کرتا ہے۔ کیا یہ قربانیاں اور محنتیں رائگاں جا سکتی ہیں؟ کیا ایسے اولوالعزم اور اپنے مقصد کے پیچھے جانیں لڑا دینے والے لوگ ناکام رہ سکتے ہیں؟ اگر کامیابیاں ایسے لوگوں کے قدم نہ چومیں گی تو کیا ان لوگوں کی قدمبوسی کریں گی جو صرف زبان سے مذہب پر جان دیتے ہیں، مگر اپنے کسی فائدے اور کسی لذّت اور کسی لطف کو اس پر قربان کرنے کے لیے تیار نہیں۔ مسندوں پر

گاؤ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں۔ معتقدوں اور شاگردوں سے خدمتیں لیتے ہیں۔ بہتر سے بہتر کھانے اور عمدہ سے عمدہ لباس اور اچھے سے اچھے مکان کے بغیر گزر نہیں کر سکتے۔ عقیدت مندوں کے جھمگٹ میں بیٹھ کر تقریریں کرتے ہیں۔ ہر طرف سے احسنت و مرحبا کے شور سنتے ہیں اور اس زندگی کو سمجھتے ہیں کہ یہ دین کی خدمت میں بسر ہو رہی ہے۔

عیسائی تو اس جوش، خلوص اور محنت کے ساتھ اس کتاب کی خدمت کر رہے ہیں جس کے محرف ہونے کا خود ان کو بھی علم ہے۔ وہ بھی جانتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے۔ مسیح کا کلام بھی نہیں ہے، مسیح کے خاص حواریوں کا کلام بھی نہیں ہے، بلکہ جن کی طرف منسوب ہے، ان کی طرف بھی اس کی نسبت مشکوک ہے۔ بخلاف اس کے ہمارے پاس وہ کتاب ہے جس کے خاص کلام الٰہی ہونے کا ہم کو علم اور یقین ہے۔ ہم جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ کتاب رحمت کا منبع اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ دنیا جس آبِ حیات کی پیاسی ہے اور جس کے دھوکے میں ہر سراب کی طرف دوڑ رہی ہے، وہ دراصل اسی سرچشمہ کا پانی ہے، مگر ہم کو گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیے کہ اس کتاب کے نور کو پھیلانے کے لیے ہم کیا کوشش کر رہے ہیں؟ عیسائیوں میں اڈولف مابیل اور ڈاکٹر اسٹیر جیسے سینکڑوں موجود ہیں، مگر ہم ان کا سا ایک آدمی بھی نہیں رکھتے۔ عیسائی ۶۷۸ زبانوں میں بائبل کا ترجمہ شائع کرتے ہیں، مگر قرآن مجید کے تراجم اب تک شائد دو درجن سے زیادہ زبانوں میں نہیں ہوئے اور ان میں بھی بیشتر حصّہ عیسائیوں ہی کا ہے۔ عیسائیوں نے جتنے ترجمے شائع کیے ہیں، سب مستند اور معتبر ہیں اور ان کی صحت کا اطمینان کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے، مگر یہاں اردو اور فارسی کے سوا کسی زبان میں بھی کوئی قابلِ اطمینان ترجمہ نہیں ہو سکا ہے۔ عیسائیوں نے ان زبانوں تک میں ترجمے کر ڈالے ہیں جن کے بولنے والے ہزاروں سے زیادہ نہیں ہیں، مگر ہم نے ابھی تک ان زبانوں میں بھی قرآن کا ترجمہ نہیں کیا جن کے بولنے والے کروڑوں میں ہیں[۶]۔ حد یہ ہے کہ ہم نے آج تک انگریزی زبان میں بھی کوئی صحیح اور معتبر ترجمہ شائع نہیں کیا، حالانکہ ہمارے پاس اس کے ذرائع کا فقدان نہیں ہے، اور اغیار تو درکنار خود ہماری اپنی ملّت کے ہزاروں تعلیم یافتہ اشخاص اس ترجمے کے حاجت مند ہیں۔ عیسائیوں نے وحشی زبانوں تک کو خاص بائبل کے ترجمے کے لیے ادبی اور تعلیمی زبان بنا دیا، مگر ہم نے ان زبانوں کو بھی قرآن کے علم سے بہرہ مند نہ کیا جو پہلے سے ادبی اور تعلیمی زبانیں ہیں۔ اس تفاوت عظیم کے باوجود اگر آج اسلام مسیحیّت کا کامیاب مقابلہ کر رہا ہے اور اکثر میدانوں میں اسے شکست دے رہا ہے تو یہ صرف اس لیے ہے کہ اسلام کو مسیحیّت پر بالذات فوقیّت حاصل ہے۔ رہے مسلمان اور مسیحی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ خدمت دین کے حوالے سے مسیحی مسلمانوں کے مقابلہ میں ہزار درجہ بلکہ لاکھ درجہ زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ (ترجمان القرآن، اگست ۱۹۳۴ء)